بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

بڑی مبارک بات ہے کہ احیائے اسلام کے جس مقدس نصب العین کے لیے برصغیر میں محمد بن قاسمؒ سے لے کر اورنگ زیب عالمگیرؒ تک ، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر علامہ اقبالؒ تک ، اور پاکستان کی تحریک دستور اسلامی سے لے کر تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ تک بڑی بڑی مسلم شخصیتوں، جماعتوں اور تحریکوں نے یکے بعد دیگرے سعی و جہد ہتگ و تاز اور والہیت و فداکاری کا ایمان پرور مظاہرہ کیا ہے، اس کی طرف حاکمانہ قوت کے ساتھ پیشقدمی کرنے کے لیے پہلی بار ایک قابلِ اعتماد ٹیم مختصر سے عبوری وقفے کے لیے اقتدار کے اسٹیج پر آئی ہے۔ نہایت محتاط الفاظ میں، بغیر کسی جھجک کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ٹیم کے بیشتر جانے پہچانے افراد نیتوں کے لحاظ سے مخلص، اور صلاحیتوں کے اعتبار سے موزوں ہیں۔

ان حضرات نے جن حالات میں ذمہ داریاں سنبھالی ہیں وہ اتنے ادق اور پیچیدہ ہیں کہ خالص سیاست کاروں اور سیاست بازوں میں سے کوئی بھی موجودہ چیلنج کے سامنے کھڑا ہونے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ تشدد اور خیانت اور فریب کارانہ سیاست کا مارا ہوا معاشرہ مختلف قبا دتوں کے درجہ بدرجہ بڑھتے ہوئے منافقانہ کردار کے ڈسے ہوئے عوام، بیانات میں پلٹنے جانے والے جمہوریت کے شوقِ بے پایاں کے پیچھے استدلال سے بے نیاز اور رواداری

پسے محروم، قدم قدم پر تصادم کرنے والے دھڑے ۔ ووٹوں کے شکار کے لیے ہانکا کرنے والے افسر اور ملازم اور اہل قلم، صیادوں کی طرف سے انتخابی حلقہ ہائے دام میں نوٹوں اور لائسنسوں اور پرمٹوں اور نوکریوں اور ڈپوؤں کی شکل میں بکھیرا جانے والا دانہ اور سیاست وعہدہ کی مارکیٹ میں جمہور کے ضمیروں کے بکتے ہوئے کباب، کتنا خوفناک ڈرامہ تھا جس کے کردار ہمارے چاروں طرف پھیلے ہوتے ہیں۔ پھر ملک کی تباہ شدہ معیشت، افراط زر کا طوفان، قیمتوں کی اونچی ہوتی پتنگیں، زرعی وصنعتی پیداواروں میں کمی، درآمدی برآمدی تجارت میں خسارہ۔ غیر پیدا آور صورتوں میں بجٹ کی رقوم صرف کا زیادہ بہاؤ۔ سرمایہ دار طبقے میں کاروبار سے بددلی۔ محنت کشوں میں عدم اطمینان، غیر ملکی قرضوں کے بھاری بوجھ کا حصہ بچے بچے کی گردن پر لدا ہوا ——— ان حالات میں کیا " ترقی پذیری " کی اصطلاح بھی ہم پر راست آسکتی ہے۔ پھر تعلیم کا مغرب کے فلسفوں اور نظریوں کو بلا تنقید نوجوان ذہنوں پر ٹھونستے چلے جانا - ادب میں مادہ پرستی اور بدن پرستی کا غلبہ، موسیقی پر جنسیت کے آسیب کا تسلط، صحافت کے معلمانہ تعمیری کردار کی کاروباریت سے شکست، ریڈیو اور ٹی۔وی کا حکومتوں کے لیے محض ناقوس بنے رہنے اور تفریح بلا مقصد کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے غیر تعمیری ہو جانا ——— یہ سب کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی قصبے اور اس کے اردگرد کی زرخیز زمین پر سے کوئی تباہ کن سیلاب گذر گیا ہو، اب نہ کوئی تعمیر باقی ہو، نہ ترتیب۔

ایک تیسرا پہلو بھی حد درجہ پریشان کن ہے۔ پچھلے ادوار حکومت میں آہستہ آہستہ، اور پی پی پی کے آخری دور میں پورے زور شور اور تیز رفتاری سے جرائم پیشہ اور جرائم پسند اور شرافت دشمن عناصر کو معاشرے کے سفلہ اسفل سے اٹھا کر درجات عالیہ پر پہنچا دیا گیا ہے۔ نتیجہ ہے کثرت جرائم اور جرائم میں وحشت وبہیمیت کے انداز، اور مجرمین کا کم صورتوں میں گرفت میں آنا۔ اور اس سے کم صورتوں میں کیفر کردار کو پہنچنا۔ جب کسی کے پرچم اقتدار کو بلند رکھنا اور کسی کے تخت کے پایوں کو مضبوطی سے تھام رکھنا اور اُسے انتخابات میں کامیاب کرانا، قاتلوں اور ڈاکوؤں، نسا بیوں اور اغوا کاروں، شرابیوں اور جواریوں کا منصب ہو تو پھر تو بیچارے کوتوال ہی کو چوروں کی طرف سے ڈانٹ پڑے گی۔ بلکہ ستم مزید ہمارے ساتھ یہ ہوا کہ محتسب اور شحنہ اور

کوتوال بھی احکامِ بالا کے تحت مجبور ہو گئے کہ وہ مجرموں سے تعاون کریں۔ ایسے میں آج اگر یہ حال ہے کہ ذرا کوئی بچہ اِدھر اُدھر ہوا اور اغوا ہو گیا، کوئی نوجوان موقع پر پھنسا تو وہ تخریب کاروں کے کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ سڑک پر چلتی بسوں کو کھڑا کر کے چار آدمیوں نے اُس کے مسافروں سے روپیہ اور سامان چھین لیا، کسی اکیلی دکیلی دخترِ پاکستان کو کبھی کسی تھانے، بسوں کے کسی اڈے، کسی دکان یا کسی کھیت میں جوہرِ ناموس سے محروم کر دیا گیا۔ بلکہ گھر میں گھس کر اور مردوں عورتوں کو رسیوں میں جکڑ کر بھی خباثت دکھائی گئی۔ دھڑلے سے دن دہاڑے بڑی بڑی چوریوں کے واقعات، سڑکوں اور چوراہوں پر بیسیوں آدمیوں کے سامنے قتل کی کارروائیاں، کسانوں کے مویشیوں کو ہتھیا لے جانا، فصلیں کاٹ لینا یا جلا دینا، دوسرے کی زمین کو عدالتوں میں جا کر کسی غیر کا بہ حیثیت مالک کے فروخت کر دینا، تھانوں میں حقیقی یا غیر حقیقی مجرموں کو دورانِ تفتیش غیر انسانی حد تک اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دینا، جعلی پاسپورٹوں اور ڈگریوں کا فروخت ہونا، غرضیکہ کوئی کہاں تک بیان کرے۔ بس یوں سمجھیے کہ جرم اور ظلم کی آندھیاں ہیں جو ہر چہار طرف سے اُمڈ اُمڈ کر آتی ہیں، اور اُن کا ہر جھونکا ہمارے سر جھکا کر گزر جاتا ہے۔

اور بیرونی حالات کیا ہیں؟ اُن کو ہم سے نہ سُنیے اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اپنی قوتِ شامہ سے سونگھنے کی کوشش کیجیے۔ تاریخ کا ایک کھیل آپ نے افغانستان میں دیکھا، دوسرا ایران میں دیکھ رہے ہیں۔ امریکہ کی پرانی دوستی نے جو شکل اختیار کر لی ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے اور روس کی نئی دوستی جس انداز سے ہماری گردنوں کے گرد محبت کی باہیں حمائل کرنے کے لیے بڑھ رہی ہے وہ بھی آپ کے ذہن سے اوجھل نہیں ہے۔ بھارت نے حالات میں غیر محسوس طریقے سے پینترا بدل کر جو نیا موقف اختیار کر رکھا ہے اس پر بھی ضرور آپ کی نظر ہے۔ صومالیہ اور یمن کے ڈرامے بھی آپ کے مشاہدے میں آچکے ہیں۔

بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ آج جو کوئی بھی پاکستان کی حاکمانہ ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہے وہ تلوار کی دھار پر چل رہا ہے۔ اگر دائیں جھکے تو اُدھر دھڑام، بائیں طرف زور ڈالے تو اُس طرف چکنا چور، اور اضطرابی انداز سے حرکت کرے تو تلوار دو ٹکڑے کر دے گی۔

خوش قسمت شاید وہی لوگ ہوں گے جو اِدھر اُدھر سٹک گئے ـــــــ مگر تحفظ و استحکام ملت

کے جہاد سے یہ فرار ہے بڑا خوفناک۔

رہ گئے وہ دیوانے جنہوں نے اس لمحے پاکستان کو دردناک ادوار میں یہ پکارتے سُنا کہ "درکار ہیں دیوانے چند" —— تو انہوں نے اپنے سیاسی مستقبل سے بے پروا ہو کر لبیک کہہ دی کہ اے اسلامی نظام کے لیے وقف شدہ سرزمین، ہم تیرے سات کروڑ باشندوں کی فلاح و بہبود کے لیے خطرناک حالات کے تھپیڑے کھانے کو حاضر ہیں۔

اس وقت کی وزارت کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ملت کی کشتی بپھرے ہوئے گہرے پانیوں میں ہے۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے اپنے فوجی رفقاء کے ساتھ ایک سال تک موج و گرداب و نہنگ سے لڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مگر مصیبت اتنی ہی نہیں کہ طوفانوں سے معرکہ ہے، بلکہ مہا مصیبت جس کی وجہ سے جنرل صاحب نے سیاسی عناصر کی عبوری حکومت قائم کرنا ضروری جانا۔ یہ ہے کہ خود اس کشتی کے مسافروں کی ایک تعداد ایسی ہے کہ کبھی وہ کشتی کے تختے اکھیڑنے میں لگ جاتی ہے، کبھی وہ دھما چوکڑی مچا دیتی ہے، اور ان سے بڑھ کر ستم ظریف وہ ہیں جو جمہوریت کے ایسے والہ و شیدا دکھائی دیتے ہیں کہ وہ طوفانوں سے لڑنے اور کشتی کو بچانے کے لیے اس وقت تک کوئی بھلائی نہیں کرنا چاہتے جب تک نازنینِ جمہوریت کشتی میں جلوہ فرما نہ ہو جائے اور خود وہی اشارہ نہ کرے کہ ہاں ہاں اے میرے پرستارو! کشتی کو اور اس کے مسافروں کو خطرے سے بچا نکالو۔ فی الحال یہ حضرات سبکسارانِ ساحل کے معزز مرتبے پر فائز ہیں، اور وہاں سے بھی کسی دُعائے خیر کے بجائے کشتی کے ملاحوں پر کلوخ اندازی اور دشنام طرازی فرما رہے ہیں۔ یہ اپنے اپنے شاندار مستقبل کی گٹھڑیاں کاندھے پر ڈالے ہزار جی جان سے اس حادثے کے منتظر ہیں کہ موجودہ ملّاح ناکام ہوں، ان کے بازو شل ہو جائیں، یہ لوگ پانی میں گر جائیں، کشتی ڈولنے لگے اور شارک مچھلیاں اس کے اِرد گرد منڈلانے لگیں، پھر یہ اپنی خدمات پیش کریں گے۔

یہ ہیں وہ لوگ، جن کا ایک بڑا حصہ پکار پکار کر طوفانی کشتی کے ملاحوں سے کہہ رہا ہے کہ تم لوگ عہدوں کے بھوکے تھے۔ تم کرسیوں کو ترس رہے تھے، تم مال بنانا چاہتے ہو، تم کمانے

کے لیے گئے ہو، اور تم قوم کے نمائندے نہیں ہو۔

حالانکہ حالات کا جو خوفناک نقشہ سامنے ہے، وہ تو تقاضا کرتا ہے کہ ہر طرف سے تمام قوتیں سمٹ کر اس مشکل مرحلے سے پاکستان کو بخیریت نکال کر ترقی کے اس راستے پر ڈال دیں، جو اسلام کے اصول و مقاصد سے متعین ہوتا ہے۔ آج تو ضرورت ہے کہ بوڑھے اور بچے بھی نوجوان بن کر آگے بڑھیں اور اپنا بھرپور تعاون اس قوت کے گرد جمع کر دیں، جو طوفانی موج و گرداب سے ملت کی کشتی کو بچا نکالنے کے لیے اپنا سارا سیاسی کیریئر داؤں میں لگا کر ادائے فرض کے لیے اُٹھی ہے۔ اس وقت قوم کی ذمہ داریاں اُٹھانے والے لوگ ہمدردی اور محبت کے مستحق ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے لیڈر فنِ افتراق کے ماہر ہیں، اور اتحاد و تعاون یا اختلاف کے باوجود قدر و احترام کا اُونچا اخلاق اُن میں پیدا نہ ہو سکا۔

جمہوریت بڑی اچھی چیز ہے، مگر اسی صورت میں جب کہ صاف ستھری جمہوریت قائم ہو سکے، اور موجودہ حکومت کا ایک واضح مقصد یہ ہے کہ دیانتدارانہ انتخابات کے راستے سے حقیقی جمہوریت کو لانے کی تدابیر کی جائیں۔ اگر محض جمہوریت کا ڈرامہ ہی رچانا ہو تو ابھی ابھی ہم نے سات سال تک جس جمہوریت کو بھگتا ہے، اس سے ہزار بار توبہ!

سچی جمہوریت کے قیام سے پہلے اگر کوئی مصیبت وارد ہو جائے تو محبانِ دین و وطن یہ کہہ کر ٹھٹے سے بیٹھے نہیں رہتے کہ جب جمہوریت قائم ہو گی تو ہم مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلیں گے۔ خدانخواستہ کہیں آگ لگ جائے تو کہیے گا کہ پہلے جمہوریت کا کنواں کھودو، اس کے پانی سے ہم آگ بجھائیں گے۔ کوئی فوجی حکومت یا فوجیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے والی حکومت ہمیں پکارے گی تو ہم آگ بجھانے کبھی نہ آئیں گے۔ جمہوریت کا عقیدہ تو توحید و رسالت کے ایمان سے بھی آگے چلا گیا، اور اس کا مرتبہ تو اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے بڑھ گیا۔ اسلام کی طرف سے تو آپ نے کوئی شرط نہ لگائی۔

بات صرف ایک سال کی تھی۔ اگر آپ ایمان بالجمہوریت کی وجہ سے تعاون نہیں کر سکتے تھے تو کم سے کم مخالفت نہ کرتے۔ آپ کا خاموش تماشائی بن کر دیکھنا بھی باعث خیر و برکت ہوتا۔

اب کچھ باتیں لوگرفتارانِ حکومت سے!

حکومت چونکہ کسی ایک جماعت کی نہیں، اس میں قومی اتحاد کی وہ مضبوط جماعتیں بھی ہیں جو جماعتوں کی "سٹنٹنگ" کے دوران اپنی جگہ ثابت قدم رہیں، اس میں غیر جماعتی افراد بھی شامل ہیں، اور اس کی سربراہی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کر رہے ہیں۔ لہٰذا میرا روئے سخن کسی خاص جماعت کے افراد کی طرف نہیں ہے بلکہ سب کی طرف ہے۔

یہ جاننے کے باوجود کہ میں کوئی فاضل آدمی نہیں، مجھے غیر معمولی بصیرت حاصل نہیں، میں کبھی مرکزِ توجہات نہیں رہا، میری آرار اور مشوروں کو کسی سطح پر یا کسی دائرے میں کوئی خصوصی اہمیت حاصل نہیں، یہ بھی ضروری نہیں کہ ترجمان القرآن کے اشارات کے صفحات اہم حلقوں میں پڑھے جاتے ہوں ـــــــ پھر بھی میں اگر بار بار کچھ باتیں سوچتا اور لکھتا ہوں تو اس کا محرک صرف یہ احساس ہوتا ہے کہ میں اپنا جو بہتر بن حصہ ملک و ملت کی فلاح کے لیے ادا کر سکتا ہوں، اس کا ادا کرنا خدا کے احکام کے تحت میرے ضمیر کی نگاہ میں ضروری ہے۔ میں نے نہ کبھی اونچی جگہوں تک پہنچنے کا شوق کیا، نہ بڑے لوگوں سے باتیں کرنے یا انہیں باتیں سنانے کا مجھے خبط ہے، نہ میں اپنی پبلسٹی کا جنون رکھتا ہوں اور نہ میں اپنے لیے کسی طرح کی بڑائی کا متلاشی رہا ہوں۔ بس میری مجبوری یہ ہے کہ خیالات کے قافلے میرے ذہن سے گذرتے ہیں۔ اُلجھے ہوئے مسائل کے حل میرے سامنے آتے رہتے ہیں، اور ایک مسلم انقلابی کی حیثیت سے سوچنے کا ایک تخلیقی عمل میرے اندر جاری رہتا ہے۔ اس ذہنی حرکت کے ماحصل کو اس خوف سے تلف کر دینا زیادتی ہے کہ میں اپنی بات اہم جگہوں تک پہنچانے، یا موزوں حلقوں میں انہیں تسلیم کرانے کے لیے الٹی سیدھی تدابیر نہیں کر سکتا۔ میرا طریقہ سادہ اور راست ہے، جو کچھ کہنا ہو مناسب صورت میں کہہ دیا۔ کوئی سُنے یا نہ سُنے اور کوئی مانے یا نہ مانے۔ لوگوں کے دلوں اور دماغوں کی باگ ڈور مجھے نہیں سونپی گئی ہے۔ میں تو صرف ملت کے بہبود فنڈ میں اپنا چندہ شامل کر رہا ہوں۔

اس جملہ معترضہ کی طوالت پر معذرت کے ساتھ پہلی بار مجھے نئی وزارت سے یہ بات کہنی ہے کہ آج جب کہ میں یہ سطور لکھنے بیٹھا ہوں، آپ کو اقتدار میں آتے ہوئے ۲۵ روز ہو چکے ہیں، یعنی آپ کی قلیل سی مہلتِ کار کا تقریباً ۱/۴ حصہ ختم ہو چکا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان ۲۵ دنوں کی

کارگذاری کی کیا رپورٹ آپ کے پاس ہے اور اندر ہی اندر آپ نے کیا کام کر لیے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اخبار و احوال کے دکھائی دینے والے ڈائل پہ کیا تبدیلی آئی ہے، یا قومی زندگی کے نیوز بورڈ پہ کن تازہ اطلاعات کا اندراج ہوا ہے۔ بلکہ آپ ایک طرح کے محاذِ جنگ پہ ہیں، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کنٹرول روم کے نقشۂ جنگ میں آپ کی پیشقدمی کا ریکارڈ کیا ہے؟

اس سوال کو اگر سادہ سیاسی زبان میں بیان کرنا ہو تو میں جاننا چاہوں گا کہ حکومت کی باطنی یا داخلی سرگرمیوں کے لحاظ سے آپ نے پالیسیاں طے کرنے یا طویل المیعاد خاکے تجویز کرنے کا جو بھی کام کیا ہو، اُسے درکنار رکھ کر یہ فرمایئے کہ عوام کے سامنے کونسا نیا اقدام یا فیصلہ آپ نے ایسا پیش کیا ہے جس سے ہر شخص یہ محسوس کر لیتا کہ فلاں سمت میں تبدیلی کا آغاز ہو گیا ہے۔

بدقسمتی سے مجھے ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ عوام کے سامنے سیاست کا جو سکرین پھیلا ہوا ہے، اور جسے وہ بار بار پلٹ کر دیکھ لیتے ہیں، اس پہ تو ابھی کوئی جلوہ منعکس نہیں ہوا۔ یہ اچھا نہیں!

یہ تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ اسلامی نظام اور جمہوریت اور خوش حالی کے وعدوں کے ساتھ گذشتہ وعدہ فراموشوں اور وعدہ فروشوں نے اپنے کرتوتوں سے جس طرح عوام کو پریشان کیا ہے، اس کے باوجود ابھی تک بہ حیثیت مجموعی قوم احترام و عقیدت سے موجودہ دَورِ خاموشی سے اچھی اُمیدیں لگائے بیٹھی ہے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مخالف عناصر نے لوگوں میں یہ پروپیگنڈہ کرنا بھی شروع کر دیا ہے کہ جیسے پہلے لوگ وعدوں میں کئی کئی سال گذار گئے ہیں یہ لوگ بھی دیکھتے دیکھتے اپنا اُلّو سیدھا کر کے لے جائیں گے۔

تبدیلی لانے والی حکومتوں کی قوت کا انحصار اس بات پہ ہوتا ہے کہ وہ زیرِ سطح پالیسیوں اور پروگراموں کی تشکیل نَو کرتے ہوئے، عوام کے سامنے بھی محسوس ہونے والے (باقی بر صفحہ ۴۰)